

صنفي مساوات: تاريخي تناظر ميں بحوالہ خصوصی بلوچستان

ڈاکٹر غلام فاروق بلوچ*

ڈاکٹر سعیدہ مینگل**

Abstract

As a matter of fact the human society has spread to such an extent for the last two centuries and the human population has also increased which is making the achievement of the self-interests of human beings faster than before. Although the human being since its very inception has the negative traits of ferocity and animosity, this way has the war for self-interests grew faster as a consequence the poor became the subject of command and the dominant strata became handful in number. Despite this, they became the honors of all human resources. In this war of self-interests the deprived women folk were affected adversely in both cases of war and peace. Today throughout the world the organization for women and their social freedom are at their swing and fighting a perennial war for the attainment of the same kind of equality. Unfortunately, the men are ascribed responsible for the backwardness of women. Even though, men do not participate in such evil activities rather they have a group of human beings who think about self-interests and selfishness. It is not important the group consists of men only but the group equally consists of men and women both. Women are not maligned in all

* اسٹنٹ پروفیسر (تاریخ)، مرکز مطالعہ بلوچستان، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ

** اسٹنٹ پروفیسر/جیئر پرن، شعبہ تاریخ، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ

societies even if they are backward. The reasons for the backwardness such societies are diverse reasons. Men are fighting for their rights in serene with women and this war is continued at present. The above autobiography is about equality of rights between men and women in a modern age which has enlightened the right and the characters and women in the annals of history. Along with this the rights of women in Balochistan has been taken into notice. Certainly, it is a prolonged subject matter which cannot be explained in a few pages. Anyway, a few words are presented about the status and the problems of women.

تعارف: Introduction:

دراصل انسانی سماج کچھلی دو صدیوں میں اتنا پھیل گیا اور انسانی آبادی میں اتنا اضافہ ہوا کہ جس نے انسانوں میں مفادات کے حصول کی جنگ کو تیز تر کر دیا۔ گو انسان آغاز سے ہی وحشت اور درندگی کی خصلتیں رکھتا ہے لہذا جب مفادات کی جنگ تیز ہو گئی تو اس جنگ کے نتیجہ میں کمزور محکوم تر ہوتا گیا اور طاقتور کا حلقہ کم تعداد ہونے کے باوجود تمام انسانی وسائل کا مالک بنا۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ متاثر عورت کی ذات ہوئی کہ جو جنگ یا امن ہر دو صورتوں میں متاثر ہوتی چلی گئی۔ آج دنیا بھر میں عورتوں کی معاشرتی آزادی کی تنظیمیں سرگرم ہیں اور معاشرہ میں اس صنف کے لیے مساوی درجہ کے حصول کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ بد قسمتی سے عورت کی پسماندگی کی ذمہ دار صرف مرد ذات کو ٹھہرایا جاتا ہے حالانکہ اس برے عمل میں سارے مرد شامل نہیں ہوتے بلکہ مفاد پرست اور خود غرض انسانوں کے گروہ ہوتے ہیں کہ جن میں ضروری نہیں کہ سارے مرد ہوں بلکہ ان میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ عورت کا استحصال تمام معاشروں میں نہیں ہوتا البتہ اگر معاشرہ پسماندہ ہے تو اس معاشرے کی پسماندگی کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں مرد حضرات آج عورتوں کے شانہ بشانہ ان کے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں اور یہ جنگ اب بھی جاری ہے۔ زیر نظر مقالہ دور جدید میں مرد و عورت یعنی ہر دو اصناف کی معاشرتی برابری اور حقوق کی یکساں تقسیم کے بارے میں ہے کہ جس میں تاریخ کے درپچوں میں عورت کے کردار کو تلاش کرنے اور اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی بلوچستان کے

معاشرے میں عورت کے مقام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یقیناً یہ ایک طویل مضمون ہے لہذا اسے چند اوراق میں رقم نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال عورت کے مقام و مرتبہ، حیثیت اور مسائل پر چند مختصر الفاظ حاضر خدمت ہیں۔

عورت سماج انسانی کی روح ہوتی ہے کہ جس کے بغیر بلاشبہ نہ تو زندگی کی تخلیق ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کائنات کے خالق کی مقصدیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر انسانی ارتقاء میں خاندان سب سے اہم اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے تو اس خاندان کی اصل بنیاد گندرا ایک عورت ہی ہوتی ہے کہ جو انسانوں کو جنم دیتی ہے اور معاشرے میں عددی لحاظ سے اضافہ کرتی ہے اور خاندان کو قبیلہ اور قبیلوں کو نسلوں اور اقوام میں تبدیل کر دیتی ہے۔ بلاشبہ عورت کی ہمدردی پہاڑوں سے بھی اونچی ہوتی ہے اور اس کی محبت اور خلوص کو کسی بھی پیمانے میں ناپا نہیں جا سکتا۔ عورت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں یقیناً تحفہ خداوندی ہے اور جس گھر میں کوئی عورت نہ ہو وہ مثل ویرانہ ہوتا ہے بھلے اس میں دس مرد بستے ہوں مگر وہ گھر مکمل طور پر خالی خالی اور غیر منظم نظر آتا ہے، اور اگر پورے معاشرے کو عورت کی ذات سے خالی کر دیا جائے تو بھلا وہ معاشرہ کتنی دیر اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہے۔ لہذا اس حقیقت سے انحراف نہیں کرنا چاہیے کہ عورت معاشرتی بقا کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ مرد ذات ضروری ہوتا ہے۔ مگر دیکھائیے کیا ہے کہ اکثر و بیشتر تقریباً دنیا بھر میں عورت کو وہ مقام، مرتبہ، اہمیت اور حیثیت نہیں دی جاتی کہ جس کی وہ حقدار ہے۔ اسے بعض کمزور اور بوسیدہ معاشروں میں انتہائی پست درجہ کا حامل کردار خیال کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض وحشی اور پست معاشروں میں خاص تہواروں پر عورتوں کی قربانی دی جاتی ہے اور ایسی سینکڑوں مثالیں ہمیں ماضی کی تاریخ میں بھی ملتے ہیں کہ جہاں دریائی سیلابوں کو روکنے کے لیے جوان لڑکیوں کو سپرد آب کیا جاتا تھا تا کہ ناراض دیوتا ایک جوان اور خوبصورت لڑکی پا کر خوش ہو جائیں اور سیلاب کو ختم کر دیں یا کم از کم ٹال دیں۔ پاکستان ایک کثیر الاقوامی ملک ہے کہ جہاں کئی ثقافتی گروہ رہتے ہیں جن کا تاریخی پس منظر انتہائی طویل ہے۔ پاکستان کے تمام قومی گروہ مثلاً بلوچ، سندھی، پشتون اور کئی دیگر چھوٹے بڑے قومی اور نسلی گروہ۔ ان میں سے ہر گروہ کی اپنی ثقافت، روایات، سماجی ادارے اور

جغرافیائی حدود ہیں۔ یہ تمام گروہ صدیوں سے اپنی اپنی حدود میں رہتے چلے آ رہے ہیں اور ہمیشہ نہ صرف ایک دوسرے کی ثقافتوں پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں بلکہ بسا اوقات بیرونی تہذیبوں کے بھی بڑے گہرے اثرات یہاں کے معاشرتی نظام کو متاثر کرتے رہے ہیں جنکی گہری چھاپ پاکستان کے جغرافیائی حدود میں رہنے والی تمام اقوام کی ثقافتوں میں نظر آتی ہے۔ بلوچ، سندھی اور پشتون اقوام کی بہت ساری رسومات اور رواجات آپس میں ملتی جلتی ہیں اور خصوصاً عورت کی عزت اور احترام کے حوالے سے یہ معاشرے مثالی سمجھے جاتے ہیں۔

عورت اور قدیم تہذیبیں

دنیا کی تاریخ پر اگر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو پوری دنیا کی تاریخ میں کئی نشیب و فراز نظر آئیں گے۔ کوئی بھی تہذیب کہ جس نے مقامی، براعظمی یا بین الاقوامی شہرت اور ناموری حاصل کی ہو بالآخر فنا ہی اس کے نصیب میں آئی ہے۔ چاہے ہم اولین انسانی بستیوں پر نظر ڈالیں یا ان عظیم تہذیبوں پر کہ جنہوں نے شہرت، ناموری، ترقی، ملک گیری اور طاقت میں عروج و کمال حاصل کر لیا تھا کوئی بھی فنا کے ہاتھوں نہ بچ سکا۔ طاقتور نے ہمیشہ کمزور کا گلہ گھونٹا۔ اس تمام تر انسانی تاریخ میں عورت کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ عورت کو ہمیشہ محکوم اور مظلوم رکھا گیا اور مرد نے ہمیشہ اسے اپنا دست نگر بنائے رکھا۔ یہ بات تاریخی دور کے چند تہذیبوں یا تہذیبی ادوار کی حد تک تو درست ہے یا پھر ان وحشی قبائل کی حد تک کہ جہاں عورت کو کسی قابل نہیں سمجھا جاتا تھا مگر یہ بات تمام انسانی ادوار پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ تاریخ سے قبل بھی ایک دور گزرا ہے کہ جسے قبل از تاریخ دور کہا جاتا ہے، یعنی وہ دور کہ جب انسان نے نیا نیا زمین پر بسنا، کچے یا جھونپڑا نما گھر بنانا، ابتدائی بنیادوں پر زراعت سیکھنا، مٹی کے برتن بنانا وغیرہ سیکھا تھا۔ اس دور کو عام طور پر ابتدائی ایشیائی نظام یا First Comparative System کہتے ہیں۔ اس زمانے میں انسان جو بھی پیداوار حاصل کرتا وہ کسی کی بھی انفرادی ملکیت نہیں ہوتی تھی بلکہ ان پر کمیونٹی کے سارے لوگوں کا برابر حق ہوتا تھا۔ اس وقت بھی معاشرے میں استحکام قائم رکھنے کی ضرورت

تھی اور اس استحکام کو قائم رکھنے کی ذمہ داری عورت کو سونپ دی گئی کہ جسے بھاگوان کہا جاتا تھا^۲ یعنی روزی تقسیم کرنے والی۔ یہ تھامردانہ معاشرے کا پہلا اور بنیادی قدم کہ جس نے سیاسی اور سماجی ذمہ داریاں عورت کو سونپ دیں۔ قدیم معاشرے زرعی ہوتے تھے یعنی انسان بالکل ابھی ابھی شکاری زندگی ترک کر کے اپنی بقا کی خاطر دیگر وسائل قدرت سے استفادہ کرنا شروع کر چکا تھا اور زراعت کا آغاز انسانی معاشرے میں انقلابی تبدیلی کا باعث بنا اور انسان خود کفیل ہوتا گیا۔ اس کی پیداواری صلاحیتوں میں اضافہ ہوا اور اس نے کئی صنعتیں مثلاً برتن سازی، چمڑا سازی، چوب سازی وغیرہ میں بے پناہ ترقی کی۔ ماقبل از تاریخ انسانی دور کا سفر ہزاروں سالوں پر محیط ہے۔

دنیا کے جن مقامات پر بھی آثار قدیمہ دریافت ہوئی ہیں ان میں گوکہ بعض اشیاء یا پورے سماج ایک دوسرے سے مختلف ہونگے مگر ایک بات تمام معاشروں میں یکساں ملتی ہے یعنی عورت کی قدیم صورتیں۔ جن سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ عورت کو ہر معاشرے میں تقدس کا انتہائی درجہ حاصل تھا اور اس کی موروثی کی باقاعدہ پوجا کی جاتی تھی۔ آثار قدیمہ کی دریافتوں سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ عبادت گاہوں اور گھروں میں عورتوں کی صورتیں رکھی جاتی تھیں اور کسی بھی کام یا عمل کے آغاز سے پہلے ماتا مورثی کی پوجا کی جاتی تھی۔ بعض بت پرست معاشروں میں اب تک عورتوں کے مورثیوں کی نہ صرف پوجا کی جاتی ہے بلکہ معاشرتی طور پر بھی عورت کو اعلیٰ درجہ اور سماجی مرتبہ حاصل ہے۔ مثال کے طور پر ہندو معاشرہ میں کئی ایسی صورتیں شامل ہیں کہ جو عورتیں ہیں اور ہندو دیومالا میں ان عورتوں کا اہم ترین کردار رہا ہے۔

قبل از تاریخ دور کی تمام بڑی تہذیبوں میں دنیا اور انسان کی تخلیق کے بارے میں جتنے بھی عقیدے تھے ان سب نظریات اور عقائد میں تخلیق کے عمل میں دیوتاؤں کے ساتھ دیویاں بھی شامل رہی ہیں اور بنیادی کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ ان دیوی دیوتاؤں کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں کہ جن کے قبضہ و اختیار میں بہت کچھ ہوتا تھا۔ میسوپوٹیمیا یعنی قدیم عراق کی تمام تہذیبیں (سمیری، آشوری، کلدانی، بابلی وغیرہ) میں عشتار دیوی^۳ کا درجہ اور مقام اور قدیم فارس کی قبل از زرتشتی تہذیب میں اناہیتا یا ناہید دیوی^۴ کا مقام و مرتبہ تاریخ کے صفحات

پر مرقوم ہے۔ اسی طرح قدیم مصری، فنیقی اور یونانی تہذیبوں میں بھی عورت کا کردار یا تو مرد سے افضل رہا ہے یا پھر اس کے برابر۔ ۵ اور صدیوں تک یہ تقدس برقرار رہا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں آئی۔ اگر کوئی تہذیب زوال پذیر ہو جاتا اور اس کی جگہ کوئی اور تہذیب لے لیتی تو بھی دیویوں کے درجات میں کوئی کمی نہیں آتی جبکہ مرد دیوتاؤں پر اکثر زوال آتا رہتا تھا۔

عورت بحیثیت شہنشاہ ماضی قدیم میں

صرف یہی نہیں کہ قبل از تاریخ دور میں عورت دیوی کی صورت میں نظر آتی ہے یا صرف اس کا مقام و مرتبہ مذہبی نوعیت کا ہے بلکہ ایسی شہادتیں بھی ملتی ہیں کہ جن سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ زمانہ ماضی قدیم میں عورتوں کو مکمل سیاسی اختیارات بھی حاصل تھے اور وہ ملکی سربراہ اور شہنشاہ بھی بن سکتی تھیں۔ قدیم عراق کہ جسے میسوپوٹیمیا کہا جاتا تھا ۶ میں ایک قوم بنی آشور کا تذکرہ ملتا ہے کہ جس نے بابل میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی ۷ جس کی سرحدیں مشرق میں موجودہ ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھیں اور شمال میں وسط ایشیا تک اس قوم کا قبضہ تھا۔ مصر کی عظیم الشان تہذیب اس قوم کے سامنے سرنگوں ہو کر باجگذار بن چکی تھی جبکہ ایران پر اس کا مکمل تسلط قائم تھا حتیٰ کہ اپنے زمانے کا سپر پاور تھا۔ اس قوم نے کئی بار اور صدیوں تک عراق اور ایک وسیع دنیا پر حکومت کی۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضع ہوتی ہے کہ اس قوم میں ایک ایسی عورت گزری ہے کہ جس نے اس تہذیب کو ادراج ثریا عطا کی اور اس کی سرحدیں موجودہ ہندوستان تک پہنچا دیں۔ ۸ اس حکمران اور بہادر عورت کا نام مؤرخین سیسی رامس تحریر کرتے ہیں ۹ اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ شاہسوار عورت بابل سے نکلی اور پھر فتوحات کے پھریرے اڑاتی ہوئی آخر کار ہندوستان پہنچی مگر بد قسمتی سے اس عورت کو ہندوستان فتح کرنے کی مہم میں ناکامی ہوئی اور شکست کھا کر براستہ مکران، عازم ایران و عراق ہوئی۔ ۱۰ بابائے تاریخ ہیروڈوٹس اپنی کتاب کہ جو دنیا میں تاریخ کی پہلی کتاب کہی جاتی ہے لکھتا ہے کہ صرف سیسی رامس ہی نہیں بلکہ ایک اور آشوری خاتون نے عراق پر حکومت کی ہے کہ جو اصلاحات اور وفاہی کاموں کے لیے تاریخ میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ ہیروڈوٹس اس

کانام نیٹو کرلیں تحریر کرتا ہے۔^{۱۱} اور یہ بھی لکھتا ہے کہ ان کے دور میں عراق نے بڑی ترقی کی گوکہ اس خاتون نے سبی رامس کی طرح فتوحات نہیں کیے مگر ملک کے اندر ایسی اصلاحات نافذ کیں کہ جن کی بدولت آشوری تہذیب بام عروج تک پہنچ گئی۔^{۱۲} اسی طرح ماضی کی کئی دیگر تہذیبوں میں بھی عورتوں کا صرف مذہبی تقدس کا مقام و مرتبہ ہی نظر نہیں آتا بلکہ ان کے سیاسی اختیارات کی تاریخ بھی ملتی ہے۔

عورت اور مذاہب آسمانی

مذاہب انسانی میں بھی عورت کا کردار نظر آتا ہے یعنی کہیں پر عورت پیغمبر کا وفادار ترین ساتھی کے روپ میں نظر آتا ہے تو کہیں پر اس کی با اعتماد رفیق حیات کے روپ میں۔ اگر کہیں پر ہاجرہ کا بیٹا قربانی کیلئے مقبول ہوتا ہے تو کہیں پر مریم کے لعل کو صلیب سے گزارا جاتا ہے۔ اگر کہیں سائرہ کا شوہر دھکتی ہوئی آگ میں جھونکا جاتا ہے تو کہیں پر موسیٰ کی ماں اپنے شیرخوار لخت جگر کو فرعون کی سپاہیوں کی خون آشام تلواروں سے بچانے کی خاطر سپرد سیل رواں کر دیتی ہے اور اللہ کے نام کو سر بلند کر دیتی ہے۔ مذاہب میں تو آغاز سے ہی عورت مرد کے ساتھ ہے اور اسے عقل و دانائی عطا کرنے کا سبب بنتی ہے اور ساتھ ہی دنیا میں لانے کی وجہ۔ اگر حوا آدمؑ کو دنیا میں لانے کا سبب نہ بنتی تو ہمارے پیارے آخری نبی ﷺ اس دنیا میں کیسے تشریف لاتے۔ یعنی اگر عورت نہ ہوتی تو انسانی معاشرہ تو کجا انسان کا تصور بھی نہ ہوتا بلکہ بذات خود تصور تک نہ ہوتا۔ کسی بھی الوہی مذہب کی تعلیمات میں عورت کی حق تلفی نہیں کی گئی ہے چاہے وہ یہودیت ہو یا عیسائیت۔ حتیٰ کہ جتنی بھی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئی ہیں ان میں عورت کا درجہ معاشرتی لحاظ سے بلند تر بیان ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد ازاں اس مذہب کے ماننے والوں اور مذہبی حکمران طبقات نے اپنے مفادات کی خاطر اپنے بعض اقدامات کو مذہبی احکامات کا نام دیکر اپنے عقائد کا حصہ بنایا ہو یا پھر اپنے سیاسی اور ذاتی مفادات کی خاطر بعض عقائد و احکامات کو مذہب سے خارج کیا ہو مگر نہ اللہ پاک نے جس صنف کو خود تخلیق کی ہو اس کی حق تلفی کا حکم نہیں دے سکتا۔ لہذا یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے

کہ کسی بھی آسمانی مذہب نے ذات انسانی کی نفی نہیں کی اور نہ ہی جنس کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی۔ بلکہ ہر مذہب نے تقویٰ کو ہی اپنا بنیادی قانون بنایا اور انسانوں کو تولد کا پیانہ بھی تقویٰ قرار پایا۔ البتہ یہ درست ہے کہ ماضی کے غیر الہامی اور بت پرست طبقات کی فحاشیت، عریانیت اور مورتیوں کی پوجا کے برعکس الہامی مذاہب نے عورت کے لیے معاشرہ میں زیادہ باوقار اور باعزت مقام کا تعین کیا۔ پوجا کے لیے الہامی مذاہب نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخصوص کیا اور عورت کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی جیسے بلند اور اعلیٰ مراتب عطا کیے۔ الہامی مذاہب کے پیروکاروں نے بھی آہستہ آہستہ اپنے مذاہب میں ترامیم و تبدیلیاں کر کے قدیم قوانین چھوڑ دیے جس کی وجہ سے اکثر اوقات عورت کا مقام معاشرتی طور پر گھٹ جاتا اور مرد حضرات اپنی طرف سے کی گئی مذہبی ترامیم کے ذریعے عورت کے مقام اور مرتبہ پر ڈاکہ ڈالتے اور اس کے حقوق سلب کرتے مگر پھر کوئی پیغمبر یا مصلح سابقہ عقائد و احکامات کی بحالی کیلئے جدوجہد کرتا۔

عورت اور اسلام

حتیٰ کہ تہذیب انسانی کے مذہبی عقائد کا سفر عرب آپہنچا اور 571ء میں اس کائنات کے سب سے بہترین انسان نے اس دنیا کو اپنے وجود مبارک سے شرف عطا کیا اور رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے اور ایک ایسا بہترین نظام انسانی اپنے ساتھ لے کر آئے کہ یقیناً اس نظام پر مکمل طور پر عمل کرنے سے ہر انسان چاہے مرد ہو یا عورت، فلاح پا سکتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں کہ جنکے بعد نبوت کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیے گئے۔ آپ ﷺ اپنے ساتھ دین اسلام لے کر آئے کہ جس میں ہر چیز اور ہر صنف کے الگ الگ مراتب مخصوص کیے گئے اور ہر ایک کے حقوق کا تعین کیا گیا۔ اور یہ وہ دین ہے کہ جس کے تحفظ اور سلامتی کی ذمہ داری خود اللہ پاک نے اٹھائی ہے۔ لہذا اس کے احکامات اور عقائد میں تبدیلی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اگر ان اسلامی احکامات پر صحیح عملداری کی جائے تو یقیناً کسی بھی شخص کو چاہے وہ عورت ہو یا مرد حق تلفی کی

شکایت نہیں ہوگی۔ قرآن مجید میں سورہ نسأ اور سورہ نور سمیت کئی دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق اور ان کے لیے احکامات بیان فرمایا ہے اور ہر ایک بات کی صحیح وضاحت کی ہے۔ علاوہ ازیں احادیث مبارکہ میں بھی حضور پاک ﷺ نے ہر صنف کے الگ الگ حدود بیان فرمائے ہیں جن پر ہر دو اصناف کے عمل کرنے سے شکایتیں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔

اسلامی تاریخ کو اگر بغور دیکھا جائے تو اس میں ہر شعبہ زندگی میں عورت سرگرم کردار ادا کرتی نظر آتی ہے۔ کیا کسی نے اس بات پر کبھی غور کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو نبوت ملنے سے پیشتر ایک عورت نے ہی پہچان لیا تھا کہ آپ ﷺ کوئی معمولی ہستی نہیں ہیں یعنی آپ ﷺ کی پہلی زوجہ مبارکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ والظاہرہؓ کہ جن کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ آپؐ پہلی مسلمان تھیں۔ یعنی اسلام کے تاجدار کے ساتھ جب رفیق سفر کی ضرورت اللہ تعالیٰ نے محسوس کی تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ والظاہرہؓ کی صورت میں بہترین رفیق حیات عطا کیا۔ حتیٰ کہ اسلام کی یہ جاٹا رخنوں اور ام المؤمنین جب تک زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی حالانکہ کثیر الزوجیت عرب کے عام قوانین کا حصہ تھا اور تقریباً ہر عرب اس پر عمل کرتا تھا مگر جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپ ﷺ ان کی زندگی میں دوسری عورت نہیں لائے۔ حتیٰ ان سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب مدینہ المنورہ میں ایک بار ام المؤمنین حضرت بی بی عائشہؓ نے حضرت خدیجہؓ کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا سخت برا منایا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح دیگر امہات المؤمنین میں سے بھی ہر ایک نے اپنے حدود اور اختیارات کے مطابق اسلامی معاشرے کی بقا اور سلامتی اور دین کی سربلندی کیلئے خدمات سرانجام دیں۔ سماجی کاموں میں امہات المؤمنین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ غریب اور مستحق بچیوں کی شادی اور جہیز وغیرہ کا بندوبست کرنا، بیواؤں، یتیموں، غریب اور مساکین کی خوب مدد کرتی تھیں اور اس نوع کے دیگر سماجی کاموں میں پیش پیش رہتی تھیں۔ تاریخ اسلام امہات المؤمنین کی سماجی خدمات کے تذکروں سے بھرپور ہے اور ان کی سماجی خدمات کو خوب اجاگر کرتی ہے۔

اسی طرح اسلامی عسکری تاریخ میں بھی کئی خواتین کے تذکرے ملتے ہیں کہ جنہوں نے جنگوں میں نہ صرف بہادری کے کارنامے سرانجام دیے بلکہ افواج کی سربراہی بھی کی۔ زیادہ

دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ جنگ جمل کو ہی دیکھئے کہ جس میں ام المؤمنین حضرت بی بی عائشہؓ حضرت علیؓ کے خلاف لشکر کی کمانداری کرتی ہے اور جمل نامی اوٹنی پر سوار ہو کر میدان جنگ میں کود پڑتی ہے اور اپنے افواج کی بھرپور کمانداری کرتی ہے۔ ان کی اوٹنی کی وجہ سے یہ جنگ، جنگ جمل مشہور ہوئی۔ ۱۳ اسی طرح احزاب میں حضور پاک ﷺ کی پھوپھی، حضرت زبیر بن العوامؓ کی رفیق حیات اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی صفیہؓ نے بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ جن کی وجہ سے یہودیوں اور مشرکین مکہ کا مشترکہ لشکر بھاگ جانے پر مجبور ہوا۔ اس طرح کے سینکڑوں واقعات سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔

ہندوستان یعنی برصغیر میں بھی ایسی خواتین کے تذکرے ملتے ہیں کہ جنہوں نے سیاسی اور عسکری تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا۔ سلطان شمس الدین التمش کی صاحبزادی سلطانہ رضیہ کے نام سے ہر شخص واقف ہوگا کہ جنہوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد حکومت و سیاست کی بھاگ دوڑ سنبھالی گوکہ وہ چار سال بعد قتل کر دی گئی مگر تاریخ گواہی دیتی ہے کہ ان چار سالوں میں انہوں نے ہندوستان کی نوزائیدہ اسلامی ملک کو بچانے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی طرح ہندوستان میں برطانوی تسلط کے خلاف جھانسی کے علاقے کی ملکہ، کہ جسے تاریخ میں جھانسی کی رانی کے نام سے شہرت ملی، ۱۳ کی تاریخ ساز مسلح جدوجہد سے ہر شخص واقف ہوگا۔ ان کا کردار برصغیر کی تاریخ کو جلا بخشتا ہے۔

اس طرح کی سینکڑوں عسکری واقعات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں کہ جو یقیناً تاریخ میں عورت کے اعلیٰ ترین کردار اور عمل کی غماز ہیں اور تاریخ میں یہی واقعات عورت ذات کی قدر و منزلت میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔ صرف اسلامی دنیا ہی نہیں بلکہ دیگر اقوام اور تہذیبوں میں بھی عورت کا کردار واضح نظر آتا ہے۔

بلوچستان کی قدیم تہذیب اور عورت کا مقام

جہاں تک بلوچستان کا تعلق ہے تو اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ پہلے بلوچستان کی ماقبل تاریخی پس منظر کو دیکھا جائے۔ بلوچستان کی ماقبل تاریخی دور کے بارے میں مہر گڑھ کے آثار یہ بتاتے ہیں کہ اس خطہ کا تہذیبی سفر لگ بھگ 11000 ہزار سال قدیم ہے۔ ۱۵ یہی

وہ اولین بستی شمار کی جاتی ہے کہ جہاں شکاری انسان نے اپنے لیے زمین پر مسکن بنائے اور پہاڑوں اور غاروں کی زندگی ترک کر دی۔ تاریخ سے یہ بات بھی آشکارا ہوتی ہے کہ زراعت کا آغاز بھی عورتوں کی محنت اور تحقیق کا نتیجہ تھا کہ جو قابل استعمال قدرتی جڑی بوٹیوں اور پودوں کے بیج اور پھل کو استعمال کرنے لگیں، بیجوں کی بوائی سیکھ لی اور خوردنی بیجوں کو زیر استعمال لائے۔ زراعت کی اس دریافت نے انسانی زندگی کا دھارا تبدیل کر دیا۔

اسی طرح ابتدائی برتن سازی کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ عورت ہی اس فن کی موجد ہے اور ابتدائی ٹوکری برتن بنا کر اسے آگ پر پختہ کرنے کا فن بھی عورت نے ہی مردوں کو سکھایا البتہ اس فن میں جدت، تبدیلی اور انقلاب اس وقت آیا جب کمہار کا پیہر ایجاد ہوا اور فن برتن سازی میں نمایاں اور انقلابی تبدیلی آگئی۔ اس تبدیلی کی وجہ سے صدیوں بلکہ ہزاروں سالہ قدیم ایشیائی نظام یعنی ابتدائی کمیونزم کو شدید دھچکا لگا کیونکہ چاک پر کم وقت میں زیادہ تعداد میں اور زیادہ نفیس و خوشنما برتن بننے لگے اور زائد پیداوار نے تجارتی معاشی رشتوں کو جنم دیا۔ انسانی تعلقات کی وسعت میں اضافہ ہونے لگا۔ مگر تب تک بھی بلوچستان کی قدیم تہذیب میں عورت کا تقدس قائم تھا اور اسے معاشرے میں مکمل برتری حاصل تھی۔

بلوچستان کا قدیم معاشرہ مدرسری نظام پر مشتمل تھا کہ جس میں پوری سوسائٹی کی سربراہی ایک عورت کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور عورت ہی خاندان کی سربراہ ہوتی تھی۔ بلوچستان کے طول و عرض میں ہزاروں مٹی کے ٹیلے ماضی کی یادگار کے طور پر ملتے ہیں۔ ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر دیہات میں یہ آثار پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے ٹیلوں پر ماہرین آثار قدیمہ تحقیقی کام کر چکے ہیں جس کے نتیجے میں جہاں ان ٹیلوں سے ہزاروں کی تعداد میں پختہ مٹی کے برتن نکلے ہیں تو ساتھ ہی لاتعداد مٹی کی مورتیاں بھی برآمد ہوئی ہیں۔ یہ تمام مورتیاں عورتوں کی ہیں۔ بلوچستان کے ٹیلوں، ڈوب، لورالائی، قلات، خضدار، مکران اور مہرگڑھ کی کھدائی کے دوران ایسی لاتعداد مورتیاں برآمد ہوئی ہیں۔ گوکہ ان مورتیوں کی بناوٹ میں فرق ہے مگر یہ سب کی سب عورتوں کی مورتیاں ہیں۔ ماضی کا انسان زمین سے محبت کرتا تھا اور اسے

ماں کا درجہ دیتا تھا لہذا یہ تمام مورتیاں اسی زرعی دور کی پیداوار ہیں کہ جب انسان اپنی بقا کی خاطر زمین کے ساتھ اپنے تمام رشتے جوڑ چکا تھا اور زمین کی زرخیزی اور رزق عطا کرنے کی غرض سے انسان نے اس کی پوجا شروع کی مگر چونکہ زمین کی کوئی واضح صورت ان کے سامنے نہیں تھی لہذا عورت کے کردار سے زمین کو تشبیہ دے کر اس کی مورتیاں بنائی گئیں کیونکہ عورت بھی نسلوں کو جنم دینے اور انہیں پالنے کا کام کرتی ہے جبکہ زمین کا عمل بھی یہی ہوتا ہے۔ اس تصور کی بنیاد پر عورت کے مجسمے بنائے گئے اور اسے زمین سے تشبیہ دیکر اس کی پوجا شروع کی گئی۔ یقیناً یہ عورت کیلئے زمانہ قدیم کے وحشی ادوار میں بہت بڑا اعزاز اور مرتبہ تھا کہ انسان نے اسے پوجا اور عبادت کے لئے مخصوص کیا۔

بلوچستان کا یہ قدیم اور ابتدائی نظام ہزاروں سالوں پر محیط ہے اور ان ہزاروں سالوں کے سماج پر عورت حاوی رہی ہے۔ اسے تمام تر سماجی اور سیاسی اختیارات حاصل تھے۔ مدرسری نظام کے زوال پذیر ہونے کے باوجود بلوچستان کے قدیم معاشرتی نظام میں عورت کی سماجی حیثیت اور ادب و احترام میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اس کا سماجی مرتبہ اب بھی بلند تھا۔ البتہ سماجی، سیاسی اور پیداواری ادارے مرد کو منتقل ہوتے گئے اور اختیارات کا سرچشمہ بھی مرد پر پانے لگا۔ لیکن اس عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچنے میں بھی صدیاں لگیں اور تب کہیں اختیارات عورت سے مرد کو منتقل ہوئے۔ مگر اس کے باوجود عورت کو معاشرے میں خاص مقام حاصل رہا اور بہر حال اس کی تقدیس اسی طرح جاری رہی۔

بلوچستان کا سماج قبائلی ہے یہاں آباد اقوام بلوچ اور پشتون ایک طویل تاریخ کے وارث ہیں۔ قبائلی سماج کے کچھ قوانین ہوتے ہیں کہ جو گوکہ برتر سماجی مرتبہ رکھنے والے بااثر افراد ترتیب دیتے اور بناتے ہیں مگر ان قوانین میں کسی کے استحصال سے زیادہ احتیاط کے جذبات زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں رہنے والے لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ایک عورت کا اصل مقام اور مرتبہ کیا ہوتا ہے۔ بلوچ سماج گوکہ قبائلی سماج ہے مگر اس قوم کی تاریخ میں سینکڑوں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جن میں عورت کا تقدس واضح طور پر نظر آتا ہے۔ سب سے بڑھ کر بلوچی کوڈ آف آنر Balochi Code of Honor یا بلوچی ضابطہ اخلاق

میں عورت کے تقدس اور احترام کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس مقام کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور یقیناً بہترین معاشرتی نظام کے لیے ایسے ضابطے مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔ بلوچی کوڈ آف آنر کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

بلوچ ضابطہ اخلاق

- 1- تمام قبائل اور بین الاقباکی تنازعات کا قبیلہ، سردار اور معتبرین کی پکھری میں بیٹھ کر فیصلہ کرنا اور اس پر کار بند رہنا۔
- 2- سیاہ کار اور سیاہ کارہ کو پناہ نہ دینا۔
- 3- باہوٹ کی حفاظت کرنا، اور حتیٰ الوسع فریقین کے درمیان سمجھوتہ کرنا۔
- 4- ہمراہی پر اگر اسکا کوئی دشمن حملہ آور ہو تو ہمراہی کا ساتھ دینا۔
- 5- قول و زبان کی پابندی کرنا۔
- 6- مجلس و پکھری میں ننگے سر نہ بیٹھنا۔
- 7- گھر میں داخل ہوتے وقت جوتے باہر نکالنا۔
- 8- سادات کا احترام کرنا۔
- 9- مجلس میں پاؤں نہ پھیلانا۔
- 10- خواتین کے سامنے ناشائستہ کلام اور نازیبا حرکت نہ کرنا۔
- 11- جھوٹ نہ بولنا اور جھوٹی افواہیں نہ پھیلانا۔
- 12- دشمن کو لکارنا اور اپنا نام ونسب اور وجہ قتال ظاہر کر کے حملہ کرنا۔
- 13- پیٹھ پیچھے سے دشمن پر حملہ نہ کرنا۔
- 14- عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔
- 15- بھاگ جانے والے دشمن کا تعاقب نہ کرنا۔
- 16- لڑائی کے دوران جب کوئی سید درمیان میں آجائے تو جنگ سے ہاتھ روکنا۔
- 17- اگر دشمن کی عورتیں باہر نکل کر لڑائی روکنے کی درخواست کریں تو ان کا احترام کرنا۔

- 18- کمتر ذات کے لوگوں اور ہندوؤں کو قتل نہ کرنا۔
 19- جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدی کو نہ تو قتل کرنا اور نہ اذیت دینا۔“ ۱۶

بلوچ عورت اور وسطی عہد کا بلوچ سماج

بلوچی رومانوی کہانیاں اور عورت

ان درج بالا نکات میں کئی جگہوں پر عورتوں کا تذکرہ اور مختلف حالات میں ان کے ساتھ سلوک کے تذکرے ملتے ہیں۔ بلوچ تاریخ ایک ایسی تاریخ ہے کہ جس میں زندگی کے ہر شعبہ میں عورت سرگرم نظر آتی ہے۔ بلوچ تاریخ میں مہمان نوازی، جنگی کارنامے، صعوبت سفر، سماجی زندگی اور رومانوی کہانیوں میں بلوچ عورت اپنے پورے وجود اور مکمل کردار کے ساتھ نظر آتی ہے۔ اگر بلوچی کی رومانوی داستانوں کو یکجا کیا جائے تو شاید رومانوی کرداروں کی اتنی بڑی تعداد دیگر تمام ثقافتوں میں ایک ساتھ نظر نہ آئے مگر بلوچی کی رومانوی تاریخ اتنی بھرپور ہے کہ جو بلوچ تاریخ کو ایک الگ باب عطا کرتی ہے۔

ساری عشقیہ داستانوں کو عورت جنم دیتی ہے۔ حانی شہ مرید، بیہرگ گراں ناز، شہداد مہناز، عزت و مہرک، سمو مست توکلی ۱۷ سسی پنوں ۱۸ حتیٰ کہ ایک طویل فہرست ہے کہ جن سے بلوچی رومانوی تاریخ ترتیب پاتی ہے ان میں سے ہر کہانی میں عورت کا رول بنیادی اور اہم ترین ہے اور اہم ترین بات یہ کہ ان کرداروں میں سے کوئی بھی کردار دیگر اقوام کی رومانوی کرداروں کی طرح قتل نہ ہوا اور نہ ہی اسے کاری کی بدترین رسم کا سامنا کرنا پڑا بلکہ ان کرداروں میں سے بعض میاں بیوی کے روپ میں ہی بعد ازاں تاریخ میں نظر آتے ہیں۔

علم و ادب اور بلوچ عورت

اس میدان میں بھی بلوچ خواتین مردوں سے پیچھے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اس میدان میں علم و ادب کے ایسے چراغ روشن کیے ہیں کہ جن کی لوسے ایک وسیع جہاں منور ہوا۔ بھلارابعہ خضداری کے نام سے کون واقف نہیں کہ جنہوں نے صدیوں پیشتر فارسی زبان میں ایسی

شاعری کی کہ خود فarsi کے بڑے بڑے شعرا کرام ان کا کلام حیرت و استعجاب سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح بلوچی رومانوی کرداروں کی ملکہ حانی بلوچی زبان کی انتہائی بلند پایہ شاعرہ تھیں۔ دور جدید میں بھی کئی دیگر نام اس وسیع اور مشکل میدان میں ملتے ہیں کہ جو اپنے ذوق اور شوق کی تکمیل کر رہے ہیں اور مشاعروں اور محافل میں مردوں کے شانہ بشانہ نظر آتی ہیں۔

سیاسی میدان اور بلوچ خواتین

دور جدید کی سیاست میں کئی خواتین اسمبلیوں میں بٹھی ہوئی ہیں اور اہم وزارتوں کے قلمدان سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان سیاستدان خواتین میں سے کئی ایسے مشہور و معروف نام بھی ہیں کہ جن کا تعلق بلوچستان سے ہے۔ ان کی فہرست بھی کافی طویل ہے۔

بلوچ جمالیات کا بہترین عکس بلوچی کشیدہ کاری والی ملبوسات

اسی طرح بلوچ خواتین کے کشیدہ شدہ ملبوسات وقار، جاذبیت، رعنائی، دلکشی، خوبصورتی اور جمالیات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اگر نابرابری اور غیر مساوات کی بات ہوتی تو بلوچ معاشرہ میں عورت اس حد تک خوبصورت کپڑے ہرگز استعمال نہ کرتی بلکہ یہ بات بلوچ خواتین اچھی طرح جانتی ہیں کہ ان کے مرد چاہے شوہر ہو یا والد، بھائی ہو یا میٹا سب ہی گھر کی خواتین کو بلوچی کپڑے زیب تن کرنے پر اصرار کرتے ہیں حالانکہ بلوچی کپڑے باقی ثقافتی کپڑوں کی نسبت زیادہ خوبصورتی اور جاذبیت نظر ہوتے ہیں اور انتہائی مہنگے بنتے ہیں۔ اس سے ہی پتہ چلتا ہے کہ بلوچ معاشرے میں عورت کو مساوات ہی نہیں بلکہ مرد کی نسبت زیادہ آزادی اور ساتھ ہی تحفظ بھی حاصل ہے۔ عورت کے احترام کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ کسی جاری قبائلی جنگ کے دوران میدان جنگ میں آجائے اور دونوں فریقوں کے مابین پڑ جائے تو وہ جنگ رک جاتی ہے اور فریقین مزید خونریزی کیے بغیر اپنے اپنے راستوں کو چلے جاتے ہیں۔ اگر عورت ساتھ ہو تو دشمن حملہ نہیں کرتا ۱۹ اور اگر عورت اپنا دوپٹہ کسی مرد کے پیروں میں رکھ دے تو وہ خون بھی معاف کر دیتا ہے۔ ۲۰ الغرض ایسی ہزاروں مثالیں بلوچ تاریخ میں تحریر ہیں۔

میدانِ جنگ اور بلوچ عورت

جنگوں میں بلوچ خواتین کا کردار نہ صرف نظر آتا ہے بلکہ وہ ہر جگہ کمان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کمرانی دور حکومت میں مائی بیو کے بارے میں جب معلومات ملتی ہیں تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ وسطی دور میں بھی کہ جب دنیا کی کئی اقوام وحشیوں جیسی زندگی گزار رہے تھے اور عورتوں کے لیے تو ایسے معاشروں میں کوئی مقام نہ تھا ان کی حیثیت ماسوائے ایک فالتو پرزے اور بچے جننے والی حیوان کے اور کچھ نہ تھا۔ مائی بیو میر احمد خان اول کی بہن تھی۔ میر احمد خان اول 1666ء میں قلات میں برسرِ اقتدار آئے اور سب کے بارونیوں کے ساتھ ان کی طویل جنگیں ہوئیں۔ میر احمد مسلسل پندرہ لڑائیوں میں شکست کھاتے رہے اور آخر کار دلبرداشتہ ہو گئے۔ ان حالات میں ان کی بہن مائی بیو نے افواج کی قیادت سنبھالی اور سب پر حملہ آور ہوئی گوکہ اس جنگ میں ان کی موت واقع ہو گئی مگر سب بعد ازاں قلات کے زیر تصرف آ گیا۔ ۲۱ اسی طرح برطانوی عہد میں پہلی جنگ عظیم کے دوران مغربی بلوچستان کے بلوچ قبائل نے جرمنی اور ترکی کی حمایت میں برطانیہ کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور طویل عرصہ تک برطانیہ کی ناک میں دم کیے رکھا۔ جلیانوالہ باغ کے قاتل جنرل ڈائرکوان قبائل کی سرکوبی کی خاطر روانہ کیا گیا تو اسے بھی طویل عرصہ تک ان جنگجو قبائل نے خوب ستایا۔ ان بلوچ قبائل میں محمود زئی، گمشاد زئی اور چند دیگر سرحدی قبائل شامل تھے۔ ان تمام قبائل کے سردار مختلف تھے مگر ان کی مشترکہ قیادت گل بی بی نامی ایک بلوچ خاتون کر رہی تھی کہ جس کا شوہر اپنے قبیلہ کا سردار تھا مگر سپاہ کی قیادت گل بی بی کے ہاتھوں میں تھی۔ ۲۲ آج بھی بلوچ خواتین جانتی ہیں کہ انہیں اپنے معاشرے میں یکساں اہمیت حاصل ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ بحیثیت عورت کے ان کی حیثیت مردوں کی نسبت زیادہ ہے۔ بلوچ معاشرہ میں کم از کم اس حوالے سے کوئی تنگ نظری نہیں پائی جاتی۔ اگر پسماندگی ہے تو اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ بلوچ عورت کے ساتھ نا انصافی کی جاتی ہے تو اسی وجہ سے بلوچ معاشرہ پسماندہ ہے۔ حالانکہ یہ بالکل درست نہیں، بلکہ بلوچ معاشرے کی پسماندگی اور در ماندگی کی دیگر بہت ساری وجوہات ہیں۔

بلوچ معاشرے میں عورت کو انتہائی پر اعتماد ساتھی اور دوست سمجھا جاتا ہے کہ جو نہ صرف

بچے جنم دیتی ہے بلکہ اپنے مرد کے شانہ بشانہ مال مویشی چراتی ہے، فصلوں کی بوائی اور کٹائی میں وہ مکمل طور پر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے، بھیڑ بکریوں کا دودھ دھتی ہے اور گھربا بھی سنبھالتی ہے۔ کسی نے بلوچ معاشرے کی عورت کے بارے میں درست کہا ہے کہ ”عورت بلوچ ثقافت کی ایماندار ترین امانت دار ہے وہ بلوچی زبان کی جفاکش محافظ اور چرواہن ہے۔“ ۲۳

الغرض بلوچ معاشرے میں بلوچ عورت کی جائز معاشرتی اور ذاتی آزادی کے لیے کی کافی گنجائش ہے بشرطیکہ وہ اخلاقی بے راروی اور شرعی حدود کی خلاف ورزی نہ کرے، مگر غربت، افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے چونکہ بلوچ معاشرے کی بڑی اکثریت تعلیم جیسی نعمت سے محروم ہے اور حکومتی سطح پر بھی کبھی بلوچستان کے دور دراز علاقوں کو اہمیت نہیں دی گئی اور خصوصاً تعلیم کے شعبہ کو تو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا لہذا علم کی کمی نے ابھی تک بلوچ معاشرے کی خویوں سے دنیا کو بہرہ مند نہیں کیا ورنہ یہ معاشرہ اور اس میں موجود احترام کے جذبات سے یقیناً ایک بڑی خلقت مستفید ہو جاتی۔ بسا اوقات مذہبی احکامات کی غلط پرچار کے ذریعے لوگوں اور بالخصوص بچیوں کو تعلیم سے دور رکھا گیا ورنہ بلوچ معاشرہ اعتماد کی بنیادوں پر استوار ہوا ہے اور اس معاشرے میں حقوق کی تقسیم کو ہمیشہ مقدم سمجھا گیا ہے۔

ماحصل (Conclusion)

عورت کا اصل مسئلہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسے تعلیم ملے، یا اسے سیاست میں برابری ملے یا پھر دیگر اداروں میں اسے مرد کے شانہ بشانہ کام کرنے دیا جائے بلکہ عورت کا اصل مسئلہ اس مقام اور مرتبہ کا حصول ہے کہ جسے معاشرہ بہر حال نظر انداز کر چکا ہے۔ آج عورت کو تعلیم، نوکری، اور وسائل تک پہنچنے کی جتنی آزادی حاصل ہے اس سے قبل شاید ہی اس کی کوئی مثال ملے مگر یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس آزادی نسواں نے سماجی بے راروی میں بھی بے پناہ اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے آج عورت اپنے آپ کو ماضی کی نسبت زیادہ غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ شہروں میں، کہ جہاں آزادی نسواں اپنے عروج پر ہے، عورت زیادہ غیر محفوظ خیال کی جاتی ہے۔ اگر دیہات میں پسماندگی یا غربت ہے تو کم از کم اتنا تو ہے کہ کسی خاتون کو دیکھ

کرم و حضرات آنکھیں جھکا لیتے ہیں جبکہ شہری اور زیادہ آزاد ماحول میں عورت زیادہ کمزور اور غیر محفوظ ہو گئی ہے۔

ترقی یافتہ ممالک نے عورت کو سرمایہ کے حصول کا ایک بہترین ذریعہ بنایا اور اس کے لیے عورت کے جسم کو استعمال کیا گیا۔ میڈیا نے عورت کو صرف ایک symbol بنایا اور اسے انتہائی بیہودہ لباس کے ساتھ سکسین پر پیش کر کے اسے حصول زر کا ذریعہ بنایا اور بد قسمتی سے اس عمل کو آزادی نسواں کا نام دیا۔ ان ترقی یافتہ اور سرمایہ دار ممالک کو اٹھا کر دیکھیں کہ وہ کس حد تک حقوق نسواں کا خیال رکھتے ہیں۔ امریکہ یا یورپ جیسے ترقی یافتہ معاشروں میں عورت کو صرف خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا گیا ہے اور اسی عمل کو آزادی نسواں کا نام دیا گیا ہے۔ ایک مہذب اقدار کا مالک انسانی معاشرہ کم از کم یورپ اور امریکی معاشروں کی تقلید نہیں کر سکتا کہ جہاں پیسہ اور عورت ہی صرف اور صرف زندگی کا مقصد ہیں۔

بد قسمتی سے آج ہمارا معاشرہ بھی انہی فتنے اور بدترین راستوں پر چل نکلا ہے اور انہی ذرائع کو ذریعہ حصول رزق بنا رہے ہیں کہ جن پر مذکورہ بالا معاشرے استوار ہیں۔ یقیناً وہ معاشرہ کہ جہاں صرف عورتوں کو ہی آزادی اور مساوات حاصل نہیں ہوتی بلکہ تمام تر انسانوں کے حقوق کا احترام کیا جاتا ہے تب تک قائم و دائم رہتے ہیں جب تک یہ اوصاف ان میں ہوتی ہیں جو ہی معاشرہ سے احترام انسانیت نکل جاتا ہے تو وہ معاشرہ بھی فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ موجودہ دور میں بھی لاتعداد خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی موجودگی کا احساس دلارہی ہیں مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں معاشرہ میں برابری کے ساتھ ساتھ عزت، مرتبہ اور مقام بھی مل جائے اور وہ معاشرتی ترقی اور ملکی بقا میں آزادانہ اور بلا خوف اپنا کردار ادا کر سکیں اور یہی وہ کھویا ہوا مقام ہے کہ جسے عورت کو واپس لوٹانا ہے یعنی اس کا احترام اور اس کا حقیقی معاشرتی رتبہ۔

حوالہ جات

- ۱۔ سبط حسن، موہلی سے مارکس تک، دانیال، کراچی، ۲۰۰۹ء، پندرہواں ایڈیشن، ص ۱۱-۲۳۔
- ۲۔ بلوچ، فاروق، بلوچستان کے تہذیبی نقوش، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۶۴۔
- ۳۔ سبط حسن، ماضی کے مزار، دانیال، کراچی، ۲۰۰۲ء، تیرہواں ایڈیشن، ص ۱۰۲-۱۲۶۔
- ۴۔ توراکینہ قاضی، سائرس اعظم، شاہکاربک فاؤنڈیشن، کراچی، سال اشاعت ندارد، ص ۱۹۔
- ۵۔ سبط حسن، ۲۰۰۲ء، ص ۱۲۷-۱۲۷۔
- ۶۔ یحییٰ امجد، تاریخ پاکستان قدیم دور، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۲۲۳-۲۳۲۔
- ۷۔ ہیروڈوٹس، دنیا کی قدیم ترین تاریخ، مترجم: یاسر جواد، نگارشات، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۲۔
- ۸۔ ایضاً، ص ۱۰۲۔
- ۹۔ ایضاً، ص ۱۰۲-۱۰۳۔
- ۱۰۔ ونسنٹ۔ اے سمیتھ، قدیم تاریخ ہند، مترجم: محمد جمیل الرحمن، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۲۵۔
- ۱۱۔ ہیروڈوٹس، ص ۱۰۲۔
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۰۳-۱۰۲۔
- ۱۳۔ ولیم۔ ایل لینگر، انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم جلد اول تاریخ اسلام، مترجم: مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۸ء، تیسرا ایڈیشن، ص ۸-۱۔
- ۱۴۔ کارل مارکس، ہندوستان کا تاریخی خاکہ، مترجم: احمد سلیم، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۲۷۷۔
- ۱۵۔ بلوچ، فاروق، ص ۵۵۔
- ۱۶۔ بلوچ، ذکیہ سردار، سرمست بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۱۹۶۵ء، ص ۱۰۔
- ۱۷۔ شفیع عقیل، پاکستان کی لوک داستانیں، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۲۴۹-۳۰۵۔
- ۱۸۔ شفیع عقیل، سسی بیوں، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۷۔
- ۱۹۔ بلوچ، ذکیہ سردار، ص ۱۰۔
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۱۰۔
- ۲۱۔ نصیر، میر گل خان، تاریخ بلوچستان، قلات پبلشرز، کوئٹہ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۷۔
- ۲۲۔ ڈاٹر، بلوچستان کے سرحدی چھاپہ مار، مترجم: میر گل خان نصیر، قلات پبلشرز، کوئٹہ، ۱۹۸۴ء، ص ۱۲۔
- ۲۳۔ شاہ محمد مری، بلوچ سماج میں عورت کا مقام، سنگت اکیڈمی، کوئٹہ، ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۔

